اُن کی نسبت لوگ یہ کہتے تھے، لیکن میں نے کبھی اس بارہ میں اُن سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ انھوں نے کبھی گفتگو میں کوئی ایسی بات کہی جس سے مجھ کو اُن کے متعلق اس بات کا علم ہوتا، وہ اُن کے بچّے اور بچیاں سب نماز بھی پڑھتے تھے، رمضان آیا تو روزے بھی رکھے، اور میرے ساتھ مذہبی مسئلہ مسائل پر گفتگو میں سب بڑی سنجیدگی اور دلچسپی سے حصّہ لیتے تھے۔

بعض مسلمان اکثر پوچھتے تھے کہ اس ماحول میں ہم اسلامی تعلیمات پر کیوں کر عمل پیرا رہ سکتے ہیں ڈاکٹر سعید رمضان کی تقریر کے ختم ہو جانے پر جب سوالات کی نوبت آئی تو اُن سے بھی یہ سوال کیا گیا تھا انھوں نے تو یہ جواب دے کر بات ختم کر دی کہ "جس حد تک بھی آپ اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکتے ہیں، کیجئے، اور جن پر عمل کر ہی نہیں سکتے، آپ مجبور ہیں، خدا کے ہاں اس کی پکڑ نہیں ہوگی"

مجھ سے جب کوئی یہ سوال کرتا تھا تو میں جواب دیتا تھا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان اب تہذیبی اعتبار سے فرق برائے نام ہی رہ گیا ہے۔ ورنہ اسلامی تہذیب کی حقیقی قدریں، اب کہیں بھی اجاگر نہیں ہیں، لاہور، اور کراچی ہو، یا قاہرہ اور بغداد، کابل اور طہران ہو، یا رباط اور تونس۔ سب "عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ" کا مصداق ہیں، رقص و سرود۔ سینما، اور نائٹ کلب، عورتوں اور مَردوں کا بے محابا اختلاط، ہر جگہ تہذیبی و تمدنی زندگی کے نمایاں خط و خال ہیں، کہیں خواتین اسکرٹ میں نظر آتی ہیں جن میں ان کی ٹانگیں برہنہ رہتی ہیں تو کہیں وہ تنگ اور مختصر بلاؤز میں ملبوس دکھائی دیتی ہیں جن میں ان کی باہیں اور بغل اور شکم کا حصّہ بالائی عریاں رہتے ہیں، موئے مشکین و دراز کو ایشیائی شاعروں نے ہمیشہ حسن کی زینت اور اس بنا پر ایک آفت اور بلا کہا ہے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:-

اداے حُسن سے بھر وپئے وہ بال بنے ؛ لٹک کے سانپ بنے اور جھٹک کے جال بنے

خوش جمالانِ مغرب نے تو اس معاملہ میں اپنی خوش مذاقی کا ثبوت یہ دیا کہ بالوں کو ترشوا کر اُن کا قصہ ہی پاک کر دیا۔ مگر بہر حال سر وہاں بھی برہنہ رہتا ہے اور دوپٹہ یہاں بھی بجائے سر کے